THE RIBA IN THE GOLD & SILVER ACCORDING TO THE SHARIA POINT OF VIEW AND THEIR PRACTICES IN CURRENT FINANCIAL INSTITUTES.

نقدین میں ربوا کی شرعی و فقہی حیثیت اور عصرِ حاضر کے مالیاتی اداروں میں اس کا عملی تطبیق

Aijaz Ali Khoso, Asst. Prof. University of Sufism and Modern Sciences, Bhitshah, Sindh.
Imtiaz Ali Khoso, Research Scholar, Dept. of Islamic Learning, University of Karachi.
Zahid Hussain Chana, Asst. Prof. Shaheed Benazir Bhutto University, Shaheed Benazirabad, Sindh.

ABSTRACT: *This article will discuss the gold and the silver are the main currency for dealing with, by means of their importance is little much we know about. Interest's Reasons will be expressed with detail in the light of Qur'an and Sunnah, Ijma-e-Umma and religious researchers.*

KEYWORDS: *Gold Silver in the Point of Sharia and Interest's Reasons will be defined.*

نقدین (سونا، چاندی میں ربا کی علت): اس میں بہت ساری آراء ہیں۔پہلی رائے **شوافع اور مالکیہ کی** آرا: امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک ربا کی علت ثمنیت کا ہونا ہے۔جیسے کہ امام شافعی کا مسلک ذکر کرتے ہوئے۔امام نووی المجموع شرح المہذب میں ذکر کرتے ہیں، کہ فلوس کو اسی کی مثل یا دراہم یا دنانیر سے بیچے جانے کی صورت میں ہی قبضہ ہو جائے تو یہ جائز ہے اور اگر فریقین میں سے کسی بھی ایک فریق نے بدلین پر قبضہ کیا تو یہ ناجائز ہے۔اختلافی مسئلہ اس صورت میں پیش آئے گا جب ایک ہی ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی کے ساتھ اضافہ کے ساتھ کیا جائے یعنی ایک ڈالر یا پاؤنڈ کا تبادلہ دو ڈالروں یا پاؤنڈ کے ساتھ کیا جائے یا ایک روپیہ کا تبادلہ دو روپوں کے ساتھ کیا جائے۔

فقہاء کے مختلف آراء فلوس کے بارے میں: مذکورہ بالا آرا کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جنس کرنسی کے ساتھ اضافے کے ساتھ تبادلہ کرنا ربا کے زمرے میں آکر شرعاً ناجائز اور حرام ہو جائیگا اور بعض فقہاء کے ہاں ربا کی علت نہ پائے جانے کی وجہ سے اضافے کے ساتھ تبادلہ کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

مالکیہ کے ہاں کرنسی میں ربا کی علت: امام مالک کے ہاں کرنسی میں ربا کی علت مطلق ثمنیت کا پایا جانا ہے جو کہ حقیقی اور عرفی کرنسی دونوں میں پائی جاتی ہے اس وجہ سے ان کے ہاں باہمی تبادلہ کے دوران کمی بیشی کا احتیاط رکھنا انتہائی ضروری ہے، ورنہ سود کے زمرے میں آنے کی وجہ سے باہمی لین دین حرام ہو جائیگا۔

مفتی تقی عثمانی فقہی مقالات میں امام مالک کا مسلک لکھتے ہیں، " ولو ان الناس اجاز و بینهم الجلود۔ حتی یکون لها سکة و عین لكر هتها ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ وقال: لا يجوز فلس بفلسين۔ ولا تجوز الفلوس بالذهب ولا بالدنانير نظرة" (۱) . ترجمہ:" اگر لوگوں کے درمیان چمڑے کے ذریعے خرید و فروخت اس قدر رواج پا جائے کہ وہ چمڑا ثمن اور سکہ کی حیثیت اختیار کر جائے تو اس صورت میں میرے نزدیک سونے چاندی کے ذریعے اس چمڑے کو ادھار فروخت کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ امام مالک فرماتے ہیں

کہ ایک فلس کی دو فلسوں کے ساتھ بیع اور تبادلہ جائز نہیں، اسی طرح سونا چاندی اور درہم اور دینار کے ذریعے بھی فلوس کی ادھار بیع جائز نہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ سونے اور چاندی کے دراہم ہوں یا دنانیر ہوں ان میں حقیقی ثمنیت موجود ہے اور سکوں میں اصطلاحی ثمنیت موجود ہے۔ اور روپوں کے لئے بھی یہی سکوں والا حکم ہے۔ اس لئے ایک روپے کا تبادلہ دو روپوں کے ساتھ ناجائز ہے اور یہ سود کے حکم میں داخل ہے۔ امام مالک، امام شافعی کی طرح سونے اور چاندی کو خلقی ثمن کہہ کر فلوس یعنی پیسوں اور روپوں سے الگ نہیں کرتے۔"

شوافع کے ہاں کرنسی میں ربا کی علت : امام نووی لکھتے ہیں: "العلة عندنا كون الذهب والفضة جنس الأثمان غالبا، وليست الفلوس كذلك۔ فانها وان كانت ثمنا في بعض البلاد فليست من جنس الأثمان غالبا" (۲) . ترجمہ: ہمارے نزدیک سونے اور چاندی میں ربا کی علت غلبہ ثمنیت کا ہونا ہے اور فلوس ایسے نہیں (یعنی خلقی ثمن ہیں) اگرچہ یہ بطور ثمن بعض شہروں میں رائج ہیں مگر یہ خلقی ثمن نہیں ہیں۔ امام شافعی کے ہاں ایک کرنسی کا تبادلہ دوسری کرنسی کے ساتھ کمی و بیشی دونوں کے ساتھ جائز ہے، کیونکہ انکے ہاں ربا کی علت اصلاً پیدائشی اور قدرتی طور پر ثمنیت ہونا ہے جو کہ صرف سونا اور چاندی میں ہے۔

جیسا کہ امام شافعی نے اپنی مشہور کتاب کتاب الأم میں فرمایا:" ولا بأس بالسلف في الفلوس إلى أجل؛ لأن ذلك ليس مما فيه الربا" (۳) . ترجمہ:"فلوس کی ادھار میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں ربا جاری نہیں ہوتا۔ امام شافعی کے ہاں ایک کرنسی کا تبادلہ دوسری کرنسی کے ساتھ کمی و زیادتی کے ساتھ ربا کی علت یعنی اصلی اور خلقی ثمنیت نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز ہے۔"

حنابلہ کے ہاں کرنسی میں ربا کی علت: امام احمد بن حنبلؒ سے دو روایات نقل کی گئی ہیں، (ا) ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں کے ساتھ جائز ہے۔ (۲) ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں کے ساتھ سود ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔ جیسے کہ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی لکھتے ہیں: "والرواية عن أحمد: يجوز الفلس بالفلسين، لأن علة الربا وهو الوزن۔ غير موجودة في الفلوس" (٤) . ترجمہ:"امام احمد بن حنبل سے ایک روایت ہے کہ ایک علت وزن مع الجنس ہے اور یہ وزن فلوس میں نہیں پایا جاتا۔ امام احمد بن حنبلؒ کے ہاں ربا کے حرام ہونے کی علت وزنی ہونا ہے اور موجودہ سکے عددی ہیں تو لہٰذا ربا کی علت نہ پائے جانے کی وجہ سے سکوں کا باہمی تبادلہ کمی و بیشی کے ساتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دوسرا قول امام احمد بن حنبلؒ سے ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں کے ساتھ عدمِ جواز کا ہے" ، جیسا کہ ڈاکٹر عجیل جاسم النشمی لکھتے ہیں۔"وانما لم يجز عند أحمد في الرواية، لأنه اعتبره من الموزونات في الأصل۔ وأخر جته الصنعة عن أصله۔ فلا يجوز، لأنه موزون بموزون متحد الجنس" (٥) . ترجمہ:" ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں اس لئے کہ امام احمد اس کو موزونات میں شمار کرتے ہیں۔ اس کی بناوٹ نے اس کو اس کی ماہیت سے نکال دیا ہے، پس اس میں زیادتی جائز نہ ہو گی اس لئے کہ موزونی چیز موزونی چیز کے بدلے میں ہے اور وہ دونوں ایک جنس کے ہیں۔"

احناف کے ہاں کرنسی میں ربا کی علت: "امام محمد رحمہ اللہ علیہ تو بالاتفاق امام مالک کے ساتھ ہیں کہ، کسی بھی صورت میں ایک فلس کا دو فلسوں کے ساتھ تبادلہ کمی یا زیادتی کی صورت میں جائز نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر دونوں طرف کے فلوس غیر متعین ہوں تو ایک فلس کا تبادلہ دو فلسوں کے ساتھ یعنی ایک پیسہ کا تبادلہ دو پیسوں کے ساتھ سود ہونے کی بناء پر حرام ہے۔اور اگر ان کو متعین کر دیا جائے یعنی ان کو متعین کرکے بائع اور مشتری اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم ان متعین سکوں کی ثمنیت کو ختم کر رہے ہیں، اس صورت میں ان سکوں کی ثمنیت باطل ہو جائے گی اور یہ عروض یعنی سامان تجارت کے حکم میں آجائیں گے۔ اس صورت میں سامان کا تبادلہ سامان کے ساتھ زیادتی کے ساتھ جائز ہوگا۔"

امام محمد علیہ الرحمہ یہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سکے رائج ہو چکے ہیں اور ثمن اصطلاحی کے طور پر معروف ہو چکے ہیں تو بائع اور مشتری کے ثمنیت کو باطل کرکے ان کو عروض کا درجہ دینے سے ان سکوں کی ثمنیت باطل نہیں ہوگی اور ایک سکے کا تبادلہ دو سکوں کے ساتھ جائز نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ میں احناف کے اقوال کو علامہ سرخسی نے مبسوط میں تفصیل سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں: "بیع فلس بغیر عینہ بفلسین بغیر أعیانهما: بأنہ لا یجوز، لأن الفلوس الرائجۃ أمثال مستاویۃ قطعاً، لا صطلاح الناس علی سقوط قیمۃ الجودۃ فیها، فیکون أحد الفلسین فضلا خالیا عن العوض مشروط فی البیع، وذلک هو الربا بعینہ، وان باع فلسا بعینہ بفلسین بغیر آعیانهما لم یجز أیضا۔ فأما آا باع فلسا بعینہ بفلسین بأعیانهما یجوز فی قول أبی یوسف۔ وهو قول آبی حنیفۃ رحمهما اللہ، ولایجوز فی قول محمد رحم اللہ وهذا یبنی علی أن الفلوس لا تتعین بالتعین مادمت وائجۃ عند محمد، وعلی قولهما تتعین باتعین اذا قوبلت بجنسها" (٦) .

ترجمہ: "ایک سکے کی دو سکوں کے عوض بیع بغیر ان کے اعیان کے تعین کے، یعنی ان کو متعین کئے بغیر ناجائز ہے، کیونکہ فلوس رائجہ یقینی طور پر لوگوں کے اصطلاحی ثمن کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، پس اگر ایک فلس کو دو فلسوں کے بدلے میں بیچا جائے گا تو ایکفلس کی زیادتی خالی عن العوض ہوگی اور یہ ربا ہے۔ لیکن اگر ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ کی گئی ان کے اعیان کو متعین کرکے (ان کی ثمنیت کو ختم کرتے ہوئے جس صورت میں یہ عروض کے حکم میں آجائیں گے) تو یہ تبادلہ شیخین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن امام محمدؒ کے نزدیک یہ ناجائز ہوگا اس لئے کہ یہ مبنی ہے اس قاعدہ پر کہ امام محمدؒ کے نزدیک اثمان متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، جب کہ امام ابو حیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اثمان متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں۔ یعنی امام محمدؒ کے نزدیک ان سکوں کی ثمنیت ختم نہیں کی جاسکتی متعین کرکے۔ جب کہ شیخین کے نزدیک ان سکوں کو متعین کرکے ان کی ثمنیت کو ختم کرکے ان کو عروض کو حکم میں لایا جاسکتا ہے۔"

"اس مسئلے میں گر امام شافعیؒ یا امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی ثمنیت ختم کرنے والا قول اختیار کرلیا جائے تو سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا۔اور اس مسئلے کو بنیاد بنا کر ہر قسم کے سود کو حلال کر لیا جائے گا۔ چنانچہ متاخرین فقہاء اس مسئلے میں امام مالک اور امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے اختیار کرتے ہیں، چنانچہ مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ، مندرجہ بالا اختلاف کا تعلق اس زمانے سے ہے جب سونے چاندی کو تمام اثمان کا معیار قرار دیا ہوا تھا۔ اور سونے چاندی سے تبادلے کا عام رواج تھا اور تمام

معاملات پہ پوری آزادی کے ساتھ سونے چاندی کے سکوں کے ذریعے لین دین ہوا کرتا تھا اور دوسری دھات کے سکے معمولی قسم کے تبادلے میں استعمال ہوتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں سونے چاندی کے سکے نایاب ہو چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں کوئی ایسا ملک یا ایسا شہر نہیں ہے جس میں سونے چاندی کے سکے رائج ہوں۔ اور تمام معاملات میں لین دین میں سونے چاندی کے سکوں کے بجائے علامتی سکے اور کرنسی نوٹ رائج ہیں، لہٰذا شیخ تقی صاحب فرماتے ہیں کہ میری رائے میں موجودہ دور کی علامتی کرنسی نوٹ کے تبادلے کے مسئلے میں امام مالک یا امام محمد کا قول اختیار کرنا مناسب ہے۔ اس لئے کہ امام شافعی یا امام ابو حنیفہ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک اختیار کرنے سے سود کا دروازہ چوپٹ کھل جائے گا اور ہر سودی کاروبار اور لین دین کو اس مسئلے کی آڑ بنا کر جائز کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر قرض دینے والا اپنے قرض کے بدلے سود لینا چاہے گا تو وہ اس طرح سے بآسانی لے سکے گا کہ قرض دار کو اپنے کرنسی نوٹ زیادہ قیمت میں فروخت کرے گا۔ اس طرح وہ اپنے قرض کے بدلے سود حاصل کرے گا"۔ آگے مزید وضاحت میں مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ فقہاء جنہوں نے ایک سکے کے دو سکوں سے تبادلہ کو جائز قرار دیا ہے، ہمارے موجودہ دور میں حیات ہوتے اور کرنسی کی تبدیلی کا مشاہدہ کرتے، تو وہ ضرور اس معاملے کی حرمت کا فتویٰ دیتے۔ پھر اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا موازنہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول سے کیا جائے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بھی بہت مضبوط اور راجح معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ان سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کے بعد ہی کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب کہ سکوں کی ثمنیت ختم کرنے کا کوئی صحیح مقصد سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس لئے کہ شاذ و نادر ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس کے نزدیک سکوں کے حصول سے مقصد اس کی ثمنیت نہ ہو۔ بلکہ ان سکوں کی اصل دھات تانبا، پیتل اور لوہا مقصود ہو۔ سکوں کے حصول سے ہر شخص کی غرض اس کی ثمنیت ہوتی ہے۔ (تاکہ وہ اس کے ذریعے اپنی ضروریات خرید سکے، نہ یہ کہ اس سکے کو پگھلا کر کوئی دوسری چیز بنائے) لہٰذا اگر متعاقدین (بائع اور مشتری) سکے کی ثمنیت ختم کرنے پر مصالحت کرلیں تو اس مصالحت کو کمی یا زیادتی کے تبادلے کو جائز کرنے کے لئے ایک من گھڑت اور مصنوعی حیلہ کہا جائے گا، جس کو شریعت قبول نہیں کر سکتی۔ خاص کر موجودہ دور میں اس قسم کے حیلوں کی شرعاً کہاں گنجائش ہو سکتی ہے؟ جبکہ سونے چاندی کے حقیقی اور خلقی سکوں کا پوری دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے اور سود صرف ان مروجہ علامتی نوٹوں ہی میں پایا جاتا رہا ہے، کیونکہ سونے چاندی کے نقود نایاب ہوتے ہوتے دنیا بھر سے مفقود ہو چکے ہیں، بہر حال موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے، کمی یا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں۔ پھر یہ برابری کرنسی نوٹوں کی تعداد اور گنتی کے لحاظ سے نہیں دیکھی جائے گی بلکہ ان نوٹوں کی ظاہری قیمت کے اعتبار سے دیکھی جائے گی جو اس پر لکھی ہوتی ہے لہٰذا پچاس روپے کے ایک نوٹ کا تبادلہ دس دس روپے کے پانچ نوٹوں کے ذریعے کرنا جائز ہے۔ اس تبادلہ میں اگرچہ ایک طرف صرف ایک نوٹ ہے اور دوسری طرف پانچ نوٹ ہیں۔ لیکن ظاہری قیمت کے لحاظ سے ان پانچ نوٹوں کے مجموعے کی قیمت پچاس روپے کے برابر ہے۔ اس لئے کہ یہ نوٹ اگرچہ عددی ہیں لیکن ان نوٹوں کے آپس میں تبادلہ اور بیع کرنے سے بذات خود وہ نوٹ یا ان کی تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی وہ ظاہری قیمت مقصود ہوتی ہے جس

کی وہ نوٹ نمائندگی کرتا ہے۔ لہٰذا مساوات اس قیمت میں ہونی چاہئے۔ نوٹوں کے بارے میں یہ مسئلہ بعینہ فلوس کے سکوں کی طرح ہے، جو سکے اصلاً دھات کے ہونے کی وجہ سے وزنی ہیں، لیکن فقہاء نے ان کو عددی قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان فلوس کے حصول سے ان کی ذات یا دھات یا تعداد مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ قیمت مقصود ہوتی ہے جس کی وہ نمائندگی کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی بڑا سکہ جس کی قیمت دس فلس ہو اس کا تبادلہ ایسے دس چھوٹے سکوں سے کرنا جائز ہے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک فلس ہے اور اس کے وہ فقہاء بھی جواز کے قائل ہیں جو ایک سکے کا دو سکوں سے تبادلہ کو ناجائز کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں ایک سکے کی قیمت بعینہٖ وہی ہے جو دس سکوں سے تبادلہ کو ناجائز کہتے ہیں اس لیے کہ اس صورت میں ایک سکے کی قیمت بعینہٖ وہی ہے جو دس سکوں کی ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ دس فلس کا سکہ اگرچہ بظاہر ایک ہے لیکن حکماً وہ ایک ایک فلس کے دس سکے ہیں لہٰذا وہ دس واقعی سکوں کے مساوی ہے۔ بعینہٖ یہی حکم ان کرنسی نوٹوں کا ہے کہ ان میں بھی ظاہری عدد کا اعتبار نہیں۔ اس عدد حکمی کا اعتبار ہے جو ان کی قیمت (Face Value) سے ظاہر ہوتا ہے لہٰذا اسی میں مساوات ضروری ہے (۷)۔

مزید علامہ شامی نے لکھا ہے، " ان مشایخ ماوراء النهر من بخارى و سمر قند لم يفتوا بجواز ذلک۔ أى بيعها بجنسها متفاضلافى العدالى والغطارفة، مع ان الغش فيها أكثر من الفضة۔ لأنها أعز الأموال فى ديارنا، فلو ابيح التفاضل فيها يفتح باب الربا الصريح، فان الناس حينئذ يعتادون التفاضل فى الأموال النفيسة، فيتدر جون الى ذلک فى النقود الخالصة، فمنع ذلک، حسما لمادة الفساد" (۸). ترجمہ: "مشائخ ماوراء النہر، بخارا اور سمرقند کے عدالی اور غطارفہ کی ایک دوسرے کے ساتھ اضافہ کے ساتھ بیع کو باوجود اس کے کہ ان میں کھوٹ غالب ہے جائز ہونے کا فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے شہر میں ان مالوں کو بہت عمدہ مال سمجھا جاتا ہے اگر ان میں تفاضل کو جائز قرار دے دیا گیا تو اس سے سود کا دروازہ کھل جائے گا اور لوگ اموال میں تفاضل کے عادی بن جائیں گے یہاں تک کہ سونے اور چاندی میں بھی تفاضل کو جائز قرار دے دیں گے۔ جو کہ ممنوع ہے، پس یہ منع کرنا اس فساد کو جڑ سے اکھیڑ دینے کی نیت سے تھا۔"

مذکورہ بالا مسئلہ میں ڈاکٹر یوسف قرضاوی فرماتے ہیں، فقہی مسائل کی رو سے یہ جو نوٹوں کے مسائل ہیں، یہ ایک بالکل نئی طرح کے مسائل ہیں اس کی کوئی نظیر متقدمین ائمہ، فقہاء اور ائمہ اربعہ کے دور میں نہیں ملتی کہ اس نظریئے پر اس مسئلے کو قیاس کیا جائے۔ اوراق مالیہ یعنی کاغذی کرنسی کی حقیقت اور شرائط سے فقہائے قدیم نا آشنا رہے ہیں، اس میں وہ اختلاف موثر نہیں ہوگا جو کہ عام طور پر فقہاء نقود میں کرتے ہیں۔ اب یہ نقود بالکل وہی حیثیت حاصل کر چکے ہیں جو کہ کسی زمانے میں سونا اور چاندی کو حاصل تھی، اس لئے ان نقود کاغذی کرنسی پر وہی تمام احکامات جاری ہوں گے جو کہ فقہاء کے نزدیک سونا اور چاندی میں جاری ہوتے ہیں (۹)۔

" متقدمینِ فقہاء کے اقوال سے اس بات کیلئے اثبات کرنا کہ ایک ملک کی کرنسی کے ایک روپے کو دو روپے کے عوض تبادلہ کرنا جائز ہے عصرِ حاضر کے علماء اس رائے کے ساتھ بالکل اتفاق نہیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ برابر سرابر تو تبادلہ جائز ہے، لیکن کمی اور زیادتی کے ساتھ ناجائز ہے جیسا کہ مذکورہ بالا آراء سے معلوم ہو گیا ہے۔"

دوسری رائے: العلۃ: الوزن مع الجنس. **(نقدین (سونے، چاندی) میں ربا کی علت)**

احناف کے نزدیک اور مشہور قول کے مطابق امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے نزدیک وزن مع الجنس ہے یعنی جنس ایک ہو اور وہ اشیاء موزونی ہوں۔

علامہ ابن قدامہ امام احمد بن حنبل کا مسلک ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " أن المشهور من أحمد أن علة الربا فی الذهب والفضة موزون جنس(۱۰)۔ ترجمہ: امام احمد بن حنبل کی مشہور روایت کے مطابق سونے اور چاندی میں ربا کی علت موزونی، لیکن جنسیت ایک ہونا شرط ہے۔"

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:" فی الذهب والفضة الوزن مع الجنس فلا تحقق العلة الا بالا جتماع الوصفین(۱۱) ترجمہ: ربا کی علت نقدین میں "وزن مع الجنس" ہے اور یہ علت اس وقت تک متحقق نہیں ہوگی جب تک دونوں اوصاف موجود نہ ہوں۔"

مذکورہ موقف کا لب لباب یہ ہے کہ ہر تولی اور ناپی جانے والی چیزوں میں ربا جاری ہوگا۔ اس کی جنس کے ساتھ چاہے وہ کھانے والی چیز ہو یا کھانے والی چیز نہ ہو، جیسے کپاس، گندم، لوہا اور پیتل وغیرہ۔ اہلِ کتاب کے برے اوصاف اللہ سبحانہ وتعالی بیان کرتے ہوئے ساتھ میں دینار کا بھی تذکرہ فرماتے ہیں: ومن أهل الكتاب من ان تأمنه بقناطر يؤده اليک ومنهم من ا ن تأمنه بدينار لايؤده اليک الا مادمت عليه قائما" (۱۲). ترجمہ: بعض اہلِ کتاب تو ایسے ہیں کہ اگر تو انہیں خزانے کا امین بنا دے تو وہ بھی وہ تجھے واپس کر دیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔ اور سورۃ یوسف میں اللہ سبحانہ وتعالی کرنسی کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ولمافتحوا متاعهم ...الخ(۱۳). اور پھر اسکی تشریح میں ڈاکٹر علی الوحدی لکھتے ہیں:" أوعية الطعام وجدوا بضاعتهم اللتى حملوها لثمن الطعام (ردت اليهم قالوا ياأبانا مانبغى" (۱۴). ترجمہ: جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اس سامان میں وہی قیمت پائی جو کہ وہ لیکر گئے تھے تو انہوں نے حیران ہو کر اپنے باپ کو کہا کہ عزیز مصر کتنا اچھا تھا م نے جو پیسے اسکو دیئے تھے تو اس نے وہ لوٹا کر دیدیئے۔۔۔ الخ

یہی مضمون ڈاکٹر علّامہ وھبۃ الزحیلی نے اپنی مشہور تفسیر التفسير المنير میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

دراہم ودنانیر کا استعمال بہت پرانے زمانے سے ہوتا ہوا آرہا ہے اسی کے اثبات میں اللہ سبحانہ وتعالی کے کلامِ مقدّس سورۃ الکہف کی آیت پیشِ خدمت ہے: "فابعثو أحدكم بورقكم هذه الى المدينة فلينظر ايها أزكىٰ طعاماً" (۱۵). ترجمہ: تم اپنے میں سے کسی کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر بھیجو وہ خوب دیکھ بھال لے کہ شہر کا کون سا کھانا پاکیزہ تر ہے۔ مذکورہ آیت میں اصحابِ کہف کے قصے کو اللّٰہ سبحانہ وتعالی نے بیان فرمایا ہے اور اسمیں جو ورقہ کا لفظ مذکور ہے اسے مراد چاندی کے دراہم ہیں اسے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں کرنسی کے استعمال کا اپنا ایک معیار ہوا کرتا تھا اور ہے اور انہی کے ذریعے قیمتوں کا معیار متعین کیا جاتا رہا ہے۔

امام رازیؒ اپنی مشہور تفسیر ''تفسیر الكبير'' میں مندرجہ ذیل آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"فابعثوأحدكم بورقكم هذه الى المدينة ....الخ والثانى : أن ذلك الرجل لما دخل الى السوق ليشترى الطعام وأخرج الدراہم لثمن الطعام قال صاحب الطعام :هذه النقود غير موجودة فى هذاليوم . وانها كانت موجودة قبل هذالوقت بمدة طويلة ودهرداهر فلعلك وجدت كنزا .... الخ فقال الملك من اين وجدت هذه الدراهم؟فقال : بعت بها أمس شيأا من التمروخرجنا فرارا من الملك دقيانوس فعرف ذلك الملك أنه ماوجد كنزا....الخ" (۱۶). ترجمہ: اصحابِ کہف نے جب اپنے بندوں میں سے ایک کو ایک پتہ دیکر شہر کیطرف بھیجا۔۔الخ

اسکی تفسیر میں امام رازی لکھتے ہیں کہ " اسکی دو تفسیریں کی گئی ہیں ان میں سے ایک تفسیر یہ ہے کہ اس بھیجے گئے آدمی نے جب شہر میں داخل ہو کر کھانہ خریدنے کیلئے پرانے زمانے کے دراہم نکالے تو اسکو کھانے والے نے کہا کہ آج کل تو یہ سکے یہاں نہیں پائے جاتے یہ دراہم تو بہت پہلے کے ہیں تو اچانک یہ شخص گھبرانے لگا اور ساتھ میں اس دکان دار نے اسکو بتایا کہ فلاں شہر میں چلے جاؤ تو شاید وہاں پر یہ چل جائیں تو جب وہاں پر پہنچا تو بادشاہ نے اسے پوچھا کہ یہ دراہم آپ کہاں سے لائے اسنے جواباً کہا کہ کل تو میں نے انہی دراہم کے ذریعے کھجور خریدے تھے پھر ہم بادشاہ دقیانوس کے خوف سے بھاگ کر نکل گئے تھے پھر بادشاہ نے پہچان لیا تھا کہ یہ تو بہت پرانے زمانے کے دراہم ہیں۔ تو ان مذکورہ بالا آیات کے مضمون سے پتا چلتا ہے کہ دراہم اور دنانیر و نقود کا استعمال کتنے پرانے عرصے سے اس دنیا میں رائج ہے جو کہ آج تک چلتا ہوا آرہا ہے اسے انکی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مزید وضاحت اور بطورِ دلیل کے مندرجہ ذیل میں سیدنا حضرت یوسفؑ کے ابتدائی واقعے کو پیش کیا جارہا ہے:
وشروه بثمن بخس دراهم معدودة و كانوا فيه من الزاهدين(۱۷). ترجمہ: اور انہوں (یعنی اسکے بھائیوں) نے اسے (یعنی حضرت یوسفؑ) کو بہت ہلکی قیمت چند گنے چنے درہموں کے بدلے بیچ دیا تھا اور یہ انہوں نے اسلئے کیا تھا کہ وہ اسے تنگ تھے۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بھی تمام کے معاملات انہی دراہم و دنانیر کے ذریعے نمٹائے جاتے تھے۔ اسی طرح علّامہ اب والحسن الحوفی نے مذکورہ تفصیل کو اپنے کتاب البرها ن فی علوم القرآن صفحہ نمبر: ۱۵۵ جلد نمبر: ۱، میں بیان کیا ہے۔" (۱۸)

خلاصہ: دین کو عین کے عوض بیچنے کو بیع سلم کہا جاتا ہے دین کو دین کے عوض بیچنے کو بیع صرف کہا جارتا ہے سامان کو سامان کے عوض بیچنے کو بیع مقایضہ کہا جاتا ہے اور اگر مبیع کو نفعہ کے ساتھ بیچا جائے تو اسکو بیع مرابحہ کہا جاتا ہے اور اگر مبیع کو اسکے خریدی ہوئی قیمت کے عوض بیچا جائے تو اسکو بیع تولیہ کہا جاتا ہے اور اسی کو بیع اشتراک بھی کہا جاتا ہے اگر مبیع خریدی ہوئی قیمت سے کم ہر بیچی گئی تو اسکو بیع وضیعہ کہا جاتا ہے۔ مذکورہ تشریح کے بعد اب مقایضہ کا نظام ملاحظہ فرمائیں۔

حواشی و حوالہ جات:

(۱) مفتی تقی عثمانی، میمن اسلامک پبلیکیشنز، فقہی مقالات ۱/۳۳

(۲) ابوزکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی (التوفی: ۶۷۶ھ) دار الفکر الطبعۃ الأولی ۱۴۲۵ھ ۲۰۰۵م منہاج الطالبین وعمدۃ المفتین فی الفقہ

(۳) امام الشافعی ابو عبد اللہ محمد بن إدریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبی القرشی المکی (المتوفی: ۲۰۴ھ) دار المعرفة بیروت ۱۴۱۰ھ ۱۹۹۰م، کتاب الام ۳/ ۳۳

(۴) عجیل جاسم النشمی، مجلة الشریعة والدراسات الاسلامیة کویت یونیورسٹی کویت ۱۴۰۹ھ، العملة واحکامھا فی الفقه الاسلام ۲۶۴

(۵) عجیل جاسم النشمی، مجلة الشریعة والدراسات الاسلامیة کویت یونیورسٹی کویت ۱۴۰۹ھ، العملة واحکامھا فی الفقه الاسلام ۲۶۵

(۶) محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الائمة السرخسی (المتوفی: ۴۸۳ھ) دار المعرفة بیروت ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳م، المبسوط ۱۱۲/ ۱۳۸

(۷) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، اسلامک میمن پبلیکیشنز کراچی، فقہی مقالات ۱/ ۲۷

(۸) ابن عابدینمحمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقیالحنفی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) دار الفکر بیروتالطبعة الثانیة ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۲م، رد المحتار علی الدر المختار ۵/ ۲۶۶

(۹) ڈاکٹر یوسف قرضاوی، مترجم ساجد الرحمنصدیقی، ادارہ معارف اسلامی کراچی ۱۹۰۷ء، فقہ الزکوۃ ۱/ ۳۷۵

(۱۰) ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامة الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی (المتوفی: ۶۲۰ھ) مکتبة القاہرة ۱۹۶۸م، المغنی لابن قدامہ ۴/ ۵

(۱۱) علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد الکاسانیالحنفی (المتوفی: ۵۸۷ھ) دار الکتب العلمیةالطبعة الثانیة ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۶م، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵/ ۱۸۳

(۱۲) سورہء آل عمران ۳/ ۷۵

(۱۳) سورہء یوسف ۱۲/ ۶۵

(۱۴) ابو الحسن علی بن احمد بن محمد بن علی الواحدیالنیشابوری (المتوفی: ۴۶۸ھ) طبع اول ۱۴۱۵ھ ۱۹۹۴م، دار الکتب العلمیة بیروتلبنان، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید ۱/ ۶۱۲

وایضاً فی التفسیر المنیر للزحیلی ۱۳/ ۲۰، دار الفکر المعاصر دمشق، الطبعة الثانیة ۱۴۱۸ھ

(۱۵) سورہء کہف ۱۸/ ۱۹

(۱۶) ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین التیمی الرازی الملقب بفخر الدین الرازی (المتوفی: ۶۰۶ھ) دار احیاء التراث العربیبیروتالطبعة الثالثة ۱۴۲۰ھ، مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر ۲۱/ ۴۴۷

(۱۷) سورہء یوسف ۱۲/ ۲۰

(۱۸) علی بن ابراہیم بن سعید ابو الحسن الحوفی (المتوفی: ۴۳۰ھ) الکلیة العلوم الاسلامیہ مدینة المنورہ، البرہان فی علوم القرآن ۱/ ۱۵۵